محمد صدیق شبلی

نادر مکتوباتِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ

برصغیر میں شاہ ولی اللہ جیسی نابغہ ہستی کا ظہور ایک ایسے زمانے میں ہوا جسے مسلمانوں کے ہمہ جہتی انحطاط کا دور کہا جا سکتا ہے۔ مسلم معاشرے میں دینی و اخلاقی اقدار سے بے تعلقی بڑھ رہی تھی۔ مغلیہ سلطنت خانہ جنگیوں، سازشوں، بغاوتوں اور ریشہ دوانیوں سے کمزور ہو گئی تھی، مسلم معاشرہ زوال کی پستیوں کی طرف گامزن تھا۔ شاہ صاحب نے اس صورتِ حال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور توفیقِ خداوندی سے اصلاح احوال کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی بلند پایہ تصانیف کے ذریعے برصغیر میں ایک فکری اور عملی انقلاب کی راہ ہموار کی۔ ان کی علمی کاوشوں کو لوگوں کی ایسی توجہ نصیب ہوئی جو اُن کا حق تھا۔ شاہ صاحب کی تصانیف اور ان کے تراجم کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور دنیا کی متعدد زبانوں میں ان کے بارے میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

''نادر مکتوباتِ شاہ ولی اللہ'' کا اردو ترجمہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور نے اس ترجمے کو بڑی آب و تاب سے شائع کیا ہے۔ ان مکتوبات کی دریافت اور ان کی اشاعت بھی عزم و ہمت کی ایک قابلِ قدر داستان ہے۔ ان مکتوبات کا سراغ مولانا نسیم احمد فریدی کو مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری کے کتابخانے میں ۱۹۴۷ء سے کچھ عرصہ پہلے ملا۔ مولانا فریدی نے فارسی متن کو نقل کرنا شروع کیا کیونکہ اس زمانے میں فوٹو کاپی کی سہولت موجود نہیں تھی۔ سارا مسودہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے

نقل کیا اور دوسرے ذرائع سے انہوں نے فارسی متن کی تصحیح و تدوین کا کام انجام دیا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے جو سیاسی مکتوبات شائع کیے، وہ بھی انہوں نے مولانا فریدی ہی سے حاصل کیے تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں شائع ہونے والے ان سیاسی خطوط کی تعداد ۴۲ ہے۔ مولانا فریدی نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ان مکاتیب کے فارسی متن کی تدوین اور ان کے ترجمے میں صرف کر دیا۔ آخری عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی، تو وہ ترجمہ املا کراتے رہے۔ نادر مکتوباتِ شاہ ولی اللہ کا اردو ترجمہ ۱۹۸۸ء میں دہلی سے اشاعت پذیر ہوا۔

نادر مکتوباتِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ایک مطبوعہ جلد میں مکتوبات کے دو حصے شامل ہیں۔ حصۂ اوّل میں ۱۰۱ اور حصۂ دوم میں ۱۵۲ خطوط کا ترجمہ شامل ہے۔ زیادہ تر خطوط شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڈھانوی، شیخ محمد قطب اور مخدوم مُعین ٹھٹھی کے نام لکھے گئے ہیں۔ اردو ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔ زیادہ تر خطوط کا ترجمہ فارسی سے کیا گیا ہے۔ لیکن اس مجموعے میں عربی خط بھی شامل ہے۔ ترجمے کی صحت کے بارے میں صحیح رائے تو اصل متن دیکھ کر ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ لیکن ترجمے کی سلامت اور مولانا فریدی کی علمی اور ذاتی دیانت کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں اس کام میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی گوارا نہیں تھی۔ یہ کمی اور کوتاہی اس عقیدت کے بھی منافی قرار پاتی ہے جو مترجم کو شاہ صاحب کی ذات سے تھی۔ مولانا فریدی کی علمی دیانت کی شہادت ان کے معاصرین نے بھی دی ہے۔

ان مکتوبات کی سب سے پہلی اہمیت تو یہی ہے کہ ان کے لکھنے والے شاہ ولی اللہ ہیں۔ ان خطوط سے ان کے سوانح اور شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ انسان اپنے بارے میں بہت سی باتیں اپنی تصانیف میں نہیں لکھ پاتا لیکن ایسی باتیں خطوط میں لکھی جا سکتی ہیں۔ جو موضوعات و مسائل ان خطوں میں زیرِ بحث آئے ہیں، ان سے اس عہد کی فکری فضا کا

بہتر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے بعض استفسارات کے بڑے کافی و شافی جواب تحریر کیے ہیں۔ بعض مشکلات کو حل فرمایا ہے اور بعض شرعی امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہیں تصوف و معرفت کے رموز و نکات بیان کیے ہیں۔ الغرض شاہ صاحب کے مکتوبات ایک طرح علوم کا ایک بے بہا خزینہ ہیں۔

علمی نکات کے علاوہ اس مجموعے کے بعض خطوط میں شاہ صاحب نے روحانی مشاہدات، مکاشفات اور واردات کو بیان کیا ہے۔ یہ خطوط جس زمانے میں لکھے گئے، اس وقت ان مطالب کو سمجھنے والے اہلِ علم موجود تھے یا کم از کم ان کے مخاطب ان باتوں کا شعور رکھتے تھے۔ لیکن آج کا عام قاری ان باتوں سے زیادہ مانوس نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو وہ اس روایت سے کٹ کر پروان چڑھا ہے، دوسرے اس نے مغربی تہذیب کی جلو میں آنے والی مادہ پرستی اور بے یقینی کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ اس لیے ان روحانی مشاہدات و مکاشفات پر یقین کرنا اس کے لیے قدرے مشکل کام ہے۔

یہ مکاتیب ایسی شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں، جن کی علمی تصانیف اور کردار کا ایک زمانہ قائل ہے۔ اس لیے ایسے شخص سے اس بات کی توقع نہیں ہوسکتی کہ اس نے محض اپنی شان بڑھانے کے لیے مشاہدات و مکاشفات کا سہارا لیا ہو۔ ہمارے بزرگوں نے تبلیغ و تلقین کے لیے اپنی روحانی واردات کا ذکر کیا ہے۔ صوفیاء کے مکاتیب میں مکاشفات و مشاہدات کا بیان عام ملتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم پیرا سائیکالوجی کی بعض مافوق الفطرت باتوں کو تو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اپنے بزرگوں کے مکاشفات پر ہمیں یقین نہیں آتا۔

ان مکتوبات میں شاہ ولی اللہ نے بعض بے حد اہم مگر نازک مسائل پر بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ ان جملہ امور میں کفالتِ الٰہی، تجرید و تفرید، وحدتِ وجود، معنیٔ ازل، رسول اکرم ﷺ کے مرتبہ خُلّت، قرآن مجید کا قدیم ہونا، ربطِ حادث و قدیم، جزا و سزا

جیسے مسائل شامل ہیں۔ شاہ صاحب کے معاصر اہلِ علم مخاطب ان مسائل کے سیاق و سباق اور علم کلام یا تصوف کی متعلقہ اصطلاحات سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن آج کا عام قاری بوجوہ ان موضوعات، ان کے اسلوبِ بیان اور ان کی اصطلاحات سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اس لیے مولانا مرحوم مکتوبات کے حواشی کا کام بھی کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے بصارت نے ساتھ نہ دیا اور پھر عمر نے وفا نہ کی۔ یہ اہم کام پہلے ایڈیشن میں بھی نہ کیا جا سکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکتوباتِ ولی اللہ پر حواشی لکھنا بھی آسان نہیں لیکن ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے موجودہ ڈائریکٹر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری اس کام سے بخوبی عہدہ براء ہو سکتے تھے۔ اس سے کتاب کی اشاعت تو مؤخر ہو جاتی لیکن اس کی افادیت میں ضرور اضافہ ہو جاتا۔ صاحبِ موصوف نے شاید تاخیر کے خوف ہی سے حواشی و تعلیقات پر توجہ نہیں دی، لیکن امید کرنی چاہیے کہ اگلے ایڈیشن میں وہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔

اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کے عالمانہ مقدمات ہیں۔ پہلا مقدمہ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری نے خود لکھا۔ اس میں برصغیر کے سیاسی، دینی، اخلاقی اور سماجی پس منظر میں شاہ ولی اللہؒ کی کوششوں کا بے لاگ جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ بڑا بھرپور مقدمہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب دلکش اور استدلال جاندار ہے، لیکن انہوں نے اکبر اور اورنگ زیب کا تقابل جس طرح کیا ہے۔ اس سے کلی اتفاق مشکل ہے۔ تاہم علمی معاملات میں اتفاق و اختلاف کے سلسلے چلتے ہی رہتے ہیں۔

دوسرا مقدمہ پیش لفظ کے عنوان سے مرحوم مولانا سیّد ابوالحسن ندوی نے تحریر فرمایا ہے۔ انہوں نے مکتوبات کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نسیم فریدی اور دوسرے لوگوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ پیشِ گفتار اس کا تیسرا مقدمہ ہے جسے نسیم احمد فریدی مرحوم نے لکھا ہے۔ انہوں نے اس میں مکتوبات کی دریافت اور ترجمہ و اشاعت کے مختلف

مرحلوں کی کہانی بڑی خاکساری سے بیان کی ہے۔ عرضِ حال اس کتاب کا چوتھا مقدمہ ہے، جسے مولانا فریدی کے بھتیجے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے قلمبند کیا ہے۔ اصل میں یہی مقدمہ نادر مکتوباتِ شاہ ولی اللہ کا تعارف ہے۔ کتاب میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے تفصیلی اور مولانا فریدی کے مختصر حالات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ نے اس کتاب کو مضبوط جلد، عمدہ کاغذ اور خوبصورت گرد پوش کے ساتھ شائع کر کے اپنی خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے۔ ادارہ اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

☆☆☆